R.No. 2166/57 Regd. No. 1922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۳ - شمارہ ۲۴ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۲۲ جون ۱۹۶۴ء

اداریہ

انجمن کی کل ہند کانفرنس

انجمن کی کل ہند کانفرنس اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جے پور میں ہونے والی تھی، مگر چین کے جارحانہ حملے کی وجہ سے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان ہو جانے پر ملتوی کر دی گئی۔ راجستھان کی شاخ کی قدرتی طور پر خواہش تھی کہ یہ کانفرنس جے پور میں ہی ہو۔ شاخ نے اس سلسلے میں خاصا چندہ بھی فراہم کر لیا تھا۔ گذشتہ اپریل میں یہ مسئلہ مجلس عاملہ کے سامنے پیش ہوا اور صدر کو اختیار دیا گیا کہ وہ جگہ اور تاریخ کا تعین کریں۔ صدر نے تمام ضروری باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طے کیا ہے کہ آئندہ اکتوبر میں جے پور میں کانفرنس ہو۔ تاریخوں کا تعین ریاستی شاخ کرے گی اور جلد ہی اس سلسلے میں ہماری زبان میں اعلان ہو گا۔

انجمن کی کانفرنسیں سیاسی کانفرنسوں سے مختلف ہیں اور یہ محض علمی اجتماع بھی نہیں ہیں۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ انجمن کی مقامی اور ریاستی شاخوں کے تمام نمائندے مل کر بیٹھیں، اپنی اپنی ریاستوں میں اردو کی پوزیشن بتائیں اور ان نمائندوں کے تجربات کی روشنی میں اردو کی بقا کی تحریک کو قومی ضروریات کی روشنی میں آگے بڑھائیں۔ یہ دور اعداد و شمار کا دور ہے۔ اس لئے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہمارے پاس بالکل صحیح اعداد و شمار ہوں۔ دوسرے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ملک کدھر جا رہا ہے، تعلیم کا ڈھانچہ کس طرح بدل رہا ہے۔ علاقائی زبانوں کی اہمیت کس طرح واضح ہوتی جا رہی ہے۔ اور ان سب باتوں کی روشنی میں اردو کی تعلیم اور چلن کے سلسلے میں ہمیں کیا قدم اٹھانے ہیں۔

ظاہر ہے کہ آزادی کے سترہ سال بعد بھی مختلف ریاستوں کی حکومتیں اُردو کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں۔ اور اگرچہ اُردو دشمنی کی وہ فضا اب نہیں ہے مگر اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے جو کچھ ہونا چاہیئے نہیں ہو رہا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ ذمّے داری حکومت اور اکثریت کی ہے، مگر اردو دوستوں کی بھی ذمّے داری کم نہیں ہے۔ عام طور پر اردو دوست حکومت پر ضرورت سے زیادہ تکیہ کرتے ہیں، خود تعمیری اور ٹھوس کام پر اتنی توجہ نہیں کرتے جتنی کرنی چاہیئے۔ ہمیں اس کانفرنس میں جہاں حکومت کے سامنے اپنے جمہوری حق کی بنا پر اپنے مطالبات پھر رکھنے ہیں، وہاں اُردو دوستوں کو بھی اس پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقے میں اُردو کے اسکولوں کا ایک جال بچھا دیں اور ابتدائی اور ثانوی منزل پر سب سے زیادہ توجہ کریں۔ نیز اُردو زبان کے شہری کاموں میں استعمال اور اُردو ادب کے فروغ کے لئے خود جد و جہد کریں۔ یہ کانفرنس ایک طرح کاروباری کانفرنس ہوگی گو اس میں اُردو کے اہم کارکنوں، ممتاز ادیبوں، مقتدر

اس اشاعت میں

انجمن کی کل ہند کانفرنس (اداریہ)	۱	غلطیہائے مضامین (مراسلات)	۷
سیمینار	۲	ہماری زبان	"
سنسکرت اور اردو کو مالی امداد	"	چند اشارے	۸
دیوناگری رسم خط میں اصلاح	"	جواب استفسار	"
شاکر میرٹھی، سرور جہان آبادی اور منشی دیانرائن نگم	۳ و ۴	اُردو	"
ٹوٹی بھکارن (نظم)	۵	تذکرۂ خاکسار	"
تصوف شعر و شاعری اور موسیقی پر ایران کا اثر	"	کلام جان صاحب	۹
ساہتیہ اکاڈمی کا انعام	"	مرحوم وزیر اعظم کا سوگ	۱۰
بکھرے ہوئے خط	۶	نئی گورنمنٹ اور لسانی پالیسی	۱۱
تلاش (نظم)	"	میسور میں اُردو	"
ترجمہ	"	نہرو کے خطوط کتابی شکل میں	"
ہند و پاک شعراء کا کلام	"	اُردو کی حق تلفی نہ ہوگی، وزیر تعلیم و وزیر اعظم کی یقین دہانی	۱۲
اقبال کا سن ولادت (مراسلات)	"	شاستری اُردو اخبار نویس	"
		انتخابات	"
		گورکھپور (یوپی) میں مشاعرہ	"

صحافیوں، اور ناشروں کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ کانفرنس کا پروگرام ریاستی شاخ کی مدد سے جلد طے ہوگا اور اس سلسلے میں ہماری زبان میں برابر اعلان ہوتا رہے گا۔

اس وقت ملک کو سب سے بڑی ضرورت یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کی ہے۔ اُردو زبان یکجہتی اور اتفاق و اتحاد کی نشانی ہے اور اُس کا ادب اس یکجہتی کی روایت کا شاندار مظہر۔

ہمیں قوی امید ہے کہ اس کانفرنس کے فیصلوں سے ملک میں اتحاد و اتفاق کی لے کو بڑھانے میں اور یکجہتی کو مضبوط کرنے میں قرار واقعی مدد ملے گی۔

سیر بین

پنڈت جواہر لال نہرو کی اُردو شاعری سے دلچسپی کے چند واقعات ملاحظہ ہوں:-

(۱) ایک دفعہ پنڈت جی ہردوار گئے۔ گنگا کے کنارے ایک شاندار جلسے میں جب تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو اُن کی نگاہوں کے سامنے تاریخ کا وہ منظر آگیا، جب آریوں کے قافلے شمال مغرب کی طرف سے بڑھتے ہوئے ہمالہ کے دامن تک پہنچے تھے، اور اُنھوں نے اقبال کا یہ شعر جھوم کر پڑھا۔

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مجمع میں جو جوش اس وقت پیدا ہوا تھا اس کی یاد اب بھی دیکھنے والوں کے دلوں میں تازہ ہے۔

(۲) سی ڈی دیش مکھ صاحب جب وزیر مال تھے اُس زمانے میں بمبئی کو دو لسانی ریاستوں میں تقسیم کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ پنڈت نہرو اس وقت بعض سیاسی مصالح کی وجہ سے بمبئی کی ریاست کی تقسیم نہ چاہتے تھے۔ دیش مکھ صاحب مہاراشٹر کو الگ کرنے کے حامی تھے کچھ اور اختلافات بھی تھے۔ اُنھوں نے استعفا دے دیا اور پارلیمنٹ میں ایک تقریر کرتے ہوئے پنڈت نہرو کی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی۔ آخر میں احسان دانش کے کچھ شعر پڑھے جن میں آمریت پر کچھ طنز تھی۔ پنڈت نہرو بلبلا گئے۔ اُن کے پیچھے سعادت علی خاں بیٹھے ہوئے تھے جو اس وقت اُن کے پارلیمنٹری سکریٹری تھے۔ اُن سے کہا کوئی شعر سناؤ۔ اُنھیں اُس وقت ایک شعر یاد آگیا۔ پنڈت جی نے ایک طویل جوابی تقریر کی اور دیش مکھ صاحب کے اعتراضات کا تفصیل سے جواب دیا۔ اور آخر میں کہا۔ دیش مکھ صاحب نے ایک پاکستانی شاعر کے کچھ شعر سنائے ہیں۔ میں اُنھیں اپنے الہ آباد کے ایک شاعر کا شعر سناتا ہوں۔ اُس کے بعد اکبر کا یہ شعر کڑک کر پڑھا جو واقعی اُس وقت چسپاں ہوتا تھا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

پارلیمنٹ کا ہال تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھا۔

(۳) آخر زمانے میں اکثر جب وہ آزادی کے بعد کی مشکلات اور اپنے اٹل عزم کا تذکرہ کرتے تھے تو یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔ خدا جانے کس کا شعر ہے۔ مگر پنڈت نہرو نے اس سے کام خوب لیا تھا۔

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں
گر پڑے، گر کر اُٹھے، اُٹھ کر چلے

اگر ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو کچھ اور اشعار کا علم ہو جو پنڈت نہرو نے اپنی تقریروں کے دوران میں پڑھے تو مہربانی کر کے ہمیں ضرور اطلاع دیں۔

سنسکرت اداروں کو مالی امداد

مرکزی وزارت تعلیم نے ایسے تمام رضاکار اداروں کو جو سنسکرت کی توسیع و اشاعت کے کام میں مصروف ہیں رواں مالی سال میں امداد دینے کی پیش کش کی ہے۔

مالی امداد کا منصوبہ سنسکرت کمیشن کی تجاویز کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ حکومت نے ۱۹۵۶ء میں یہ کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت سنسکرت سے متعلق منظور شدہ اسکیموں پر جو خرچ آئیگا اس کا ۶۰ فیصدی حکومت برداشت کرے گی۔ اس مقصد کیلئے جو عمارتیں بنائی جائیں گی اُن پر جو خرچ آئیگا اس کا ۶۰ فیصدی بھی حکومت دے گی بشرطیکہ حکومت کے حصہ میں جو خرچ پڑے وہ ۷۵،۰۰۰ روپیہ سے زیادہ نہ ہو۔ (انڈین ایکسپریس)

دیوناگری رسم خط میں اصلاح

ناگپور کے ایک ناشر شری بی پی کالے نے بتایا ہے کہ ہمارے ملک میں چھپائی کی صنعت اب بھی اس حالت میں ہے جس میں کہ بیرونی ممالک میں یہ تقریباً ایک صدی پہلے تھی۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ دیوناگری رسم خط میں اصلاح کی جائے اور اس کے لئے انہوں نے ایک منصوبہ بھی بنایا ہے اگر اس منصوبہ پر عمل درآمد کیا جائے تو نہ صرف ہاتھ سے لکھنے والوں اور کمپوزیٹروں کو بڑی سہولت ہو جائے گی بلکہ کاغذ کے خرچ میں بھی ۳۰ فی صدی بچت ہو گی۔

نادم سیتاپوری

شاکر میرٹھی، سرور جہان آبادی اور منشی دیا نرائن نگم

کوئی دو سال ہوئے ہیں کہ جناب حکیم جہت یہ تیرؔ (ہندو یونیورسٹی بنارس) نے منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کے کلام کی جدید ترتیب و تدوین کے سلسلے میں منجملہ اور باتوں کے ایک بہت پرانی بات بھی یاد دلا دی۔ جو سن تو چکا تھا کئی بار! لیکن اس کا صحیح پس منظر سامنے نہیں تھا۔

جناب تیرؔ نے سرور جہان آبادی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"شاکر بابو پیارے لال شاکر میرٹھی (ایڈیٹر ماہنامہ ادیب الٰہ آباد) کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سرور مرحوم کا کلام اپنے نام سے شایع کرا دیا۔"

بات اس وقت تو رفت گذشت ہو گئی لیکن مجھے فکر ضرور تھی کہ نصف صدی اُدھر کے اس ادبی ہنگامہ کا صحیح پس منظر کیا تھا؟ اتفاقاً ادھر ماہنامہ "الناظر" لکھنؤ کے کچھ پرانے شمارے دیکھ رہا تھا کہ اس واقعہ کی مکمل تو نہیں مگر بہت کچھ تفصیلات مل گئیں۔ جو "الناظر" (بابت دسمبر ۱۹۱۳ء جلد ۱۱ شمارہ ۶۶) کے ایک مضمون "نے دو آتشہ" میں صفحات ۶۰ لغایتہ ۶۶ پر شایع ہوا تھا۔

یہ مضمون دراصل شاکر میرٹھی کی نیچرل نظموں کے مجموعہ "اکسیر سخن" پر ایک قسم کا تبصرہ یا ریویو ہے لیکن "اداری" نہیں؟ بلکہ کسی "ابوالرشاد" کا لکھا ہوا ہے! یہ "ابوالرشاد" کون تھے؟ اس کی بابت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا! میرا خیال ہے کہ یہ اس قسم کا فرضی نام ہے جس طرح ماہنامہ "ادیب" الٰہ آباد کے تبصرہ نگار "سیف القلم" تھے۔

"اکسیر سخن" کا انتساب شاکر میرٹھی نے مہاراجہ بہادر سرکشن پرشاد شاد حیدرآبادی کے نام کیا تھا۔ ضخامت سرورق کے علاوہ ۹۸ صفحات اور قیمت آٹھ آنے تھی۔ ماہنامہ "العصر" لکھنؤ کا پتہ درج ہے۔

مہاکوی کالی داس (تقریباً ایک صدی قبل مسیح) کی نیچرل نظموں کے اُردو ترجمہ کا خیال سب سے پہلے شاکر کو ہوا۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۰۹ء کے ماہنامہ "مخزن" لاہور میں "مہاکوی" پر ایک مضمون (کالی داس) لکھ کر اپنے ہمعصر شعراء کو اس کی طرف توجہ دلائی۔

"اگر ہمارے باکمال شعراء کالی داس کی تصنیفات کو ملاحظہ فرمائیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ان کی شیوا بیانی اور قوت خیال کے لئے کیسا وسیع میدان موجود ہے اور ان کی جدت پسند طبع کے لئے ان میں کیسے کیسے اچھوتے مضامین بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے ہمیں امید رکھنا چاہئے کہ ہمارے شعرائے نامدار اس طرف توجہ فرما کر نہ صرف اپنے ملک کے لٹریچر کو فائدہ پہنچائیں گے بلکہ خود بھی ابدی اور لازوال شہرت حاصل کریں گے۔"

شاکر نے صرف اپنے معاصرین کو دعوت فکر ہی نہیں دی بلکہ اس اہم کام کی طرف پیش قدمی بھی کی اور مہاکوی کی "رتو سنگھار" کی چند نظموں کو اُردو نظم کا جامہ پہنایا۔ یہ نظمیں ماہنامہ "زمانہ" کانپور کے مندرجہ ذیل شماروں میں شایع ہوئیں۔ اور یہ واقعہ سرور جہان آبادی کی زندگی کا ہے۔

۱۔ شرد (خریف) مطبوعہ ماہنامہ زمانہ کانپور بابتہ دسمبر ۱۹۰۹ء

۲۔ ہیمنت (آغاز موسم سرما) مطبوعہ ماہنامہ زمانہ کانپور بابتہ جنوری ۱۹۱۰ء

(نوٹ) اس شمارے میں سرور جہان آبادی کی نظم "حسرت دیدار" بھی شایع ہوئی تھی۔

۳۔ برکھا رت مطبوعہ زمانہ کانپور بابتہ جولائی ۱۹۱۰ء

(نوٹ) اور اس شمارے میں بھی سرور کی ایک نظم "مار آستین" شریک اشاعت تھی۔

سرور کا انتقال ۳؍دسمبر ۱۹۱۰ء کو ہوا۔ ان تین نظموں کے علاوہ ممکن ہے شاکر کی اور نظمیں بھی دوسرے رسائل میں شایع ہوئی ہوں لیکن سرور مرحوم یا ان کے دوسرے احباب نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ نظمیں دراصل سرور مرحوم کا نتیجۂ فکر ہیں۔

سرور کی وفات کے تخمیناً ڈھائی تین سال کے بعد شاکر کی انھیں نظموں کا مجموعہ ۱۹۱۳ء میں "اکسیر سخن" کے نام سے شایع ہوا، جس کا مقدمہ منشی پریم چند مرحوم نے لکھا تھا۔ منشی پریم چند نے اپنے مقدمے میں "اکسیر سخن" کا خیر مقدم ان الفاظ میں کیا تھا۔

"حضرت شاکر نے یہ ترجمہ کر کے اُردو زبان پر ایسا احسان کیا ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ایک افسوسناک کمی جو اُردو شعراء اور سخن سنجوں کے لئے باعث ندامت تھی حضرت شاکر کی کاوشوں کی بدولت پوری ہو گئی۔ اُن کے شاعرانہ انہماک نے اُردو پبلک کو "کالی داس" کے لطیف جذبات و خیالات سے حظ اُٹھانے کا موقع دیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس رتبے میں انھیں پیشرو کا فخر حاصل ہے۔"

"اکسیر سخن" کی اشاعت (۱۹۱۳ء) کے بعد منشی دیا نرائن نگم مرحوم (ایڈیٹر زمانہ کانپور) نے منشی پریم چند کے اسی مقدمہ (مشمول اکسیر سخن) کو مسخ کر کے ماہنامہ زمانہ میں نقل کیا۔ اور وہ بھی اس طرح پر کہ مقدمہ کی مندرجہ بالا

عبارت حذف کرکے اپنی طرف سے مندرجہ ذیل سطور کا اضافہ کردیا۔

"رتو سنگھار" کا ترجمہ مسٹر شاکر (میرٹھی) کی .. سے حضرت سرور مرحوم نے کیا اور کئی موسموں کی نظمیں "زمانہ" میں ہدیۂ ناظرین ہو چکی ہیں۔"

لیکن منشی دیانرائن نگم مرحوم اپنی صحافتی ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں تھے۔ اس تحریف کے جواز میں انہوں نے ایک فٹ نوٹ بھی لکھا۔ اور پہلی بار اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ:

"مسٹر شاکر نے ان نظموں کے مجموعہ کو "اکسیر سخن" کے نام سے اپنے نام سے شایع کیا ہے۔ مگر بعد میں ہم کو تحقیقی طور پر ثابت ہوا کہ نظموں کا منثور ترجمہ مسٹر شاکر نے کیا ہے اور ان کو نظم کا جامہ سرور مرحوم نے پہنایا ہے۔ ہمارے پاس اس کا تحریری ثبوت ہے۔ اس سے منشی پریم چند نے اس مضمون (مقدمہ اکسیر سخن) میں "رتو سنگھار" کے مترجم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں ہم نے محض اپنی ذمہ داری پر ترمیم کردی۔ یہ مضمون "اکسیر سخن" کے دیباچہ سے ماخوذ ہے۔"

مگر "الناظر" کے تبصرہ نگار نے اپنے مضمون (مئے دو آتشہ) میں اس کی کوئی صراحت نہیں کی ہے۔

(۱) کہ منشی دیانرائن نگم کے اس انکشاف کا "رد عمل" خود شاکر میرٹھی اور منشی پریم چند پر کیا ہوا؟

(۲) اور اس بحث کا خاتمہ کس طرح پر ہوا؟

(۳) کیا منشی دیانرائن نگم نے اس "تحریری ثبوت" کے عکسی فوٹو "زمانہ" میں شایع کیے؟ یا نہیں؟ (ماہنامہ "زمانہ" میں بعض اوقات فوٹو بلاک شایع ہوا کرتے تھے)

"مئے دو آتشہ" اس قسم کی تفصیلات سے خالی ہے البتہ تبصرہ نگار نے مضمون کے آخری حصہ میں یہ استدلال ضرور کیا ہے:

"سرور نے ۳ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء[1] کو وفات پائی۔ اپنی زندگی میں کبھی انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ نظمیں میری ہیں، نہ ایڈیٹر صاحب "زمانہ" (منشی دیانرائن نگم) سے شکایت کی کہ آپ کے رسالہ میں میری نظمیں دوسروں کے نام سے شایع ہو رہی ہیں۔ حالانکہ دونوں (سرور اور نگم) کے بے حد مخلصانہ مراسم تھے۔ جس کے اظہار کے لیے منشی دیانرائن نے باوجود "جام سرور" کے انڈین پریس الٰہ آباد سے شایع ہو جانے کے، ان کا مجموعہ سخن "خمخانۂ سرور" کے نام سے (خود) چھاپا اور صفحۂ اولین میں اپنے تعلقات و خصوصیات کا جلی حروف میں اعلان کیا ہے۔ مگر اس مجموعہ کے مرتب کرنے کے وقت بھی ان نظموں کو مسٹر نگم نے زمانہ سے نقل کرکے "کلام سرور" میں داخل نہیں فرمایا نہ "خمخانۂ سرور" کے دیباچے میں کوئی اشارہ ایسا کیا کہ کبھی سرور نے اپنی نظمیں کسی دوسرے شخص کو دی ہوں۔

بایں ہمہ اس قدر عرصہ دراز کے بعد جبکہ تائید کے بہترین اسباب زائل ہو گئے شاکر صاحب کی نظموں کا [illegible] سرور پر کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مسٹر نگم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تین نظمیں ان کو شاکر صاحب سے ملی ہیں۔ انھیں کا نام نظموں کے آخر میں ثبت تھا۔ انھیں کے نام سے یہ نظمیں "زمانہ" میں شامل کی گئیں۔ تو یہ امر تحقیق ہو جانے کے بعد کہ سرور نے ان کو نظم کا جامہ پہنایا ہے، صاحب موصوف کا خاموش رہنا اور "اکسیر سخن" کے شایع ہونے تک اپنی معلومات کا اظہار نہ کرنا آخر کس مصلحت پر مبنی تھا؟ اور منشی پریم چند کے مقدمہ میں ترمیم کرنے کے لیے اشاعت کتاب (اکسیر سخن) کے سال بھر بعد وہ تمام معلومات کیونکر قابل استعمال ہو گئیں؟

"الناظر" کا زیر بحث مقالہ (مئے دو آتشہ) جو (غالباً) "ابوالرشاد" کے فرضی نام سے شایع ہوا تھا جس پر مولانا ظفر الملک علوی ایڈیٹر "الناظر" نے کسی قسم کا ادارتی نوٹ نہیں لکھا ہے۔ اور نہ اس مضمون سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد منشی دیانرائن نگم نے اس کی وضاحت کن الفاظ میں کی؟ اور بحث کا خاتمہ کس نتیجہ پر پہنچ کر ہوا؟ اس مضمون کے دلائل بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب تک تصویر کا دوسرا رخ سامنے نہ ہو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس نصف صدی قبل کی ادبی بحث پر، کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہ کی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد اس بحث نے کوئی دوسرا رخ بھی اختیار کیا ہو! اور "زمانہ" کے پرانے فائل کوئی ایسی تفصیلات پیش کر سکیں جس سے اصل معاملہ کا کوئی دوسرا پہلو نکل آئے!

امید ہے کہ "ارباب تحقیق و نظر" اس کی طرف توجہ فرما کر اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے میں تعاون فرمائیں گے۔

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے

[1] "الناظر" میں سنہ ۱۹۰۱ء درج ہے، یہ کتابت کی غلطی ہے۔ سرور جہان آبادی کا انتقال سنہ ۱۹۱۰ء میں ہوا، سنہ ۱۹۰۱ء میں نہیں۔

زیدی جعفر رضا

گونگی بھکارن

صبح کی پہلی کرن بن کر
گلی کے موڑ سے
داخل ہوئی گونگی بھکارن
گونگے لہجے میں ہی کچھ کہتی ہوئی
جیسے کوئی معصوم بچہ
پالنے میں لیٹا لیٹا
دودھ پینے کے لئے گونگی زباں میں
کہہ رہا ہو — آں۔ اُوآں۔ آں
جاگ اُٹھے اہل محلہ
اور کوٹھوں کے دریچے کھول کر
کچھ لڑکیاں بھی آگئیں
ملتی ہوئی آنکھیں
بھکارن کی صدا پہ
کیا اثر ہے ہائے اس گونگی زباں میں
دن دنا دن
چھن چھنا چھن
تانبے اور پیتل کے پیسے
لوگ اس پہ پھینکتے ہیں
کوئی اس سے
اس کا مذہب نام اور اسکی سکونت
پوچھنے والا نہیں ہے
جیسے اس کا
کوئی مذہب نام اور کوئی سکونت ہی نہ ہو
آج تو سب ایک ہوکر بھیک اسکو دے رہے ہیں
کیوں نہیں کہتا کوئی "یہ ہندو ہے یہ
میں بھیک اسے ہرگز نہ دوں گا"
کیوں نہیں کہتا کوئی "یہ ہے مسلماں
اور بھکشا اس کو دینا پاپ ہے
انیائے ہے"
کیا زباں کی مختلف شکلوں نے ہی
یہ تفرقوں کی آہنی زنجیر
انساں کے گلے میں ڈال دی ہے
اور یہ گونگی بھکارن
بے زبان۔
معصوم۔
سارے تفرقوں سے دور ہے؟

تصوف شعروشاعری اور موسیقی پر ایران کا اثر

ہندوستان کے بارے میں ایرانی پروفیسروں کا تاثر

ہندوستان اور ایران کے دیرینہ اور قریبی تعلقات کی مسلمہ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایران کے سرکردہ پروفیسر بدیع الزماں فروزان فراور پروفیسر ڈاکٹر زرین کوب نے ایران کے مشہور اخبار تہران جرنل میں شائع ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ہندوستان اور ایران تہذیبی اور ثقافتی رشتوں میں پیوستہ منسلک رہے ہیں۔ یہ رشتے تاریخ کے اوراق سے زیادہ پرانے ہیں۔ دونوں ملکوں میں تہذیب تمدن کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔

نئی دہلی میں مستشرقین کی جو کانفرنس حال ہی میں منعقد ہوئی تھی اس میں ایران کی نمائندگی پروفیسر بدیع الزماں اور ڈاکٹر زرین کوب نے کی تھی۔ کانفرنس کے خاتمے پر یہ دونوں حضرات ہندوستانی تہذیب کلچر اور یہاں کی زندگی کے گہرے مطالعے کے لئے ہندوستان کے مختلف مقامات پر گئے۔ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر زرین کوب نے کہا "ہندوستان کے ترقیاتی منصوبوں نے مجھے کافی متاثر کیا۔ یہ ملک پھر سے انگڑائیاں لے رہا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں نئی اور تازہ روح آگئی ہے۔ عوام تیزی سے ترقی کے مدارج طے کر رہے ہیں۔ یہ رفتار ملک کے عظیم اور شاندار مستقبل کی ضامن ہے۔ زندگی کے اس نئے دور میں سب سے زیادہ حیران کن چیز ہندوستانی کیریکٹر کی سادگی ہے جو جدتوں کے اس دور میں اپنی جگہ بدستور قائم ہے"۔

ہندوستان اور ایران کی دیرینہ قربت کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بدیع الزماں نے کہا "دوسری باتوں کی طرح ہندوستان کا فن تعمیر اور علم نقاشی بھی ایران کے ان فنون سے بہت ہم آہنگ ہے۔ اس کا اندازہ آگرہ، لکھنؤ اور کلکتہ جیسے تاریخی مقامات دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں مروجہ صوفی ازم، شعروشاعری، موسیقی اور بول چال کا طریقہ وغیرہ سب ایران ہی سے تو اپنائے گئے ہیں۔ فارسی زبان صدیوں سے ہندوستانی عوام میں مقبول رہی ہے اور آج بھی ہے۔

ہندوستان میں بہت سے ایرانیوں کی موجودگی ہندوستانی اور ایرانی عوام کی قربت کا احساس دلاتی ہے۔ یہ سب لوگ ہندوستان میں بغرض تجارت آئے تھے اور یہیں کے ہو رہے۔ یہ بھی ہندوستان کے دیگر عوام کی طرح ملک کی ترقی و فلاح کے لئے کوشاں ہیں۔

ساہتیہ اکاڈمی کا انعام

ہندوستان سفیر برائے امریکہ مسٹر بی۔ کے نہرو نے ڈاکٹر امیہ چکرورتی کو جو اس وقت بوسٹن یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر کام کر رہے ہیں ساہتیہ اکاڈمی کا "بنگالی ادب" انعام پیش کیا۔

(انڈین ایکسپریس)

کچھ پُرانے خط

لکھنؤ۔ ۱۲ر ستمبر

بھائی سرور صاحب تسلیم

سُنا تھا کہ کچھ دن ہوئے آپ آئے تھے۔ نیاز نہ حاصل ہو سکا۔ شاید بہت مصروف ہیں۔ میرے لئے یہ کتابیں بھجوا دیجئے۔ ترقی پسند، سردار جعفری، انتخاب جدید، سرور۔ انتخاب میر، عبد الحق۔ اور انتخابات وجد، اختر انصاری اور جاں نثار اختر۔ میرے حساب میں روپے نہ ہوں تو مجھے لکھوا دیجئے گا۔ میں چیک بھیج دوں گا۔ ادھر کوئی اچھی کتاب تنقید یا نفسیات پر نکلی ہو تو وہ بھی بھجوا دیجئے گا۔ آپ کا نیا مجموعہ کیسا چھپ رہا ہے۔

ادھر دو ایک غزلیں کہی ہیں۔ ایک غزل آپ کو لکھ رہا ہوں۔

خدا کرے مزاج بخیر ہو۔

[صدیق حسن (مرحوم) آئی۔ سی۔ ایس]

غزل

سر درد کے تم ہی تھے درماں کیوں اتنی عنایت کر نہ سکے
کچھ ایسے بھی تھے سُن لیتے۔ اب جن کی شکایت کر نہ سکے

گلشن کی ہوا گو راس نہ تھی۔ لیکن تھی وفا کی ریت ایسی
پھولوں سے کدورت کیا رکھتے۔ کانٹوں سے بھی نفرت کر نہ سکے

مجبوری اور لاچاری کا۔ اک حادثۂ جانکاہ ہے یہ
چاہا تو بہت دل نے لیکن۔ تجدید عقیدت کر نہ سکے

اُفتاد زمانہ کے ہاتھوں۔ مجبور رہے ہم تم دونوں
تم عہد محبت کر نہ سکے۔ ہم ترک محبت کر نہ سکے

اُمید نہ خوں ہو دشمن کی۔ دل ٹوٹ نہ جائے کانٹوں کا
یہ سوچ کے اکثر راہ نما۔ دامن کی حفاظت کر نہ سکے

اللہ رے ذوق حفظ و اماں۔ مرغان چمن مصروف فغاں
ہر قید سے گو آزاد رہے، پرواز کی ہمت کر نہ سکے

پابندی رسم زنداں تھی۔ یا تھی یہ ارادوں کی پستی
تڑپے تو اسیری میں لیکن۔ فریاد کی جرأت کر نہ سکے

یہ کوہ گراں۔ دریائے رواں، صحراء و بیاباں سب تھے یہاں
کیوں ان میں کسی کو عرش مکاں۔ تفویض امانت کر نہ سکے

آنکھوں نے لٹائے جو گوہر، دامن کے وہ کام آئے لیکن
وہ آنسو دل کا داغ بنے۔ پلکوں سے جو رخصت کر نہ سکے

وہ یاد کہ جس کے صدقے سے ایوان زمانہ روشن ہے
اُس یاد کو ہم خود مرغوں۔ اپنے لئے قسمت کر نہ سکے

آخری شعر نسبی اعتبار سے بالکل اینگلو انڈین یا نئی اصطلاح میں "بہارستانی" کہا جا سکتا ہے۔ خدا جانے اس پر نیاز صاحب کیا کہیں گے۔

اسی کا آخری شعر ہے:۔

کچھ بیتے دنوں کی یادیں تھیں، کچھ شکوے تھے بربادی کے
یہ تھی وہ متاعِ خستہ دلاں۔ تم جس کو غارت کر نہ سکے

تلاش

از اسلام مچھلی شہری

— پھر آج اُن کے "پرانے خطوط" دیکھا ہوں

پھر آج ڈھونڈ رہا ہوں میں اُن کی تقریریں
"تلاشِ ہند" کے اوراق پھر اُلٹتا ہوں!
خیال تھا کہ کبھی اس کو سجدہ کروں گا
یہ روشنی تو بہر حال ہے مرے گھر کی!
ستارہ ہی نے مجھے ہائے کر دیا برباد
کوئی بتاؤ مری روشنی کہاں گم ہے؟
"تلاشِ ہند" کے اوراق پھر اُلٹتا ہوں
وہ روشنی تو یہیں تھی ابھی یہیں ہو گی ——؟!

رابرٹ فراسٹ کے اُن اشعار کا اُردو ترجمہ جو پنڈت جواہر لال کی میز پر پائے گئے

ترجمہ

از کرشن موہن

یہ جنگل سہانے ہیں، تیرہ ہیں، گنجان ہیں
مگر میرے کچھ عہد و پیمان ہیں۔
کہ سونے سے پہلے کئی میل جانا ہے مجھ کو
کئی میل جانا ہے مجھ کو۔

نہرو پر ہند و پاک شعراء کا کلام

ایسی اُردو نظموں کا ایک مجموعہ جو جواہر لال نہرو کی یاد میں لکھی گئی ہیں عنقریب کتابی شکل میں شایع کیا جائے گا۔ اس مقصد سے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے شعراء کی اس قسم کی نظموں کو جمع کرے گی۔

اس کتاب کی فروخت سے جو رقم اکٹھی ہو گی وہ نہرو میموریل فنڈ میں دے دی جائے گی۔

(سیاست جدید کانپور)

مراسلات

اقبال کا سن ولادت

علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش سے متعلق بہت سی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے صرف کالج کے طلبہ ہی پریشان نہیں ہیں بلکہ ہند و پاک کے محقق اور نقاد بھی ابھی تک صحیح تاریخ کا تعین نہیں کر پائے ہیں۔ ۱۸۷۰ء، ۱۸۷۱ء، ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء، ۱۸۷۵ء، اور ۱۸۷۶ء میں سے کسے صحیح مانا جائے یہ مسئلہ ابھی حل طلب تھا ہی کہ ایک اور سن ۱۸۷۷ء کا اضافہ ہو گیا ہے۔

ماہنامہ "ماہ نو" کراچی کے اپریل ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں جناب منظر صدیقی کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے فقیر سید وحید الدین کی کتاب "روزگار فقیر" سے اقتباس لیا ہے۔ "........ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے (اقبال) ایک تحقیقی مقالہ "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا" کے موضوع پر لکھا تھا جس پر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی تھی۔ مقالہ کی ابتدا میں جو تعارفی نوٹ ہے اس میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ "میں ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ ہجری (۱۸۷۶ء) کو پیدا ہوا" پھر ۲۲ سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں جب انہوں نے انٹرنیشنل پاسپورٹ کے لئے درخواست دی تو اس میں بھی اپنا سن پیدائش ۱۸۷۶ء ہی درج کیا تھا .... چونکہ صحیح تاریخ کا تعین ضروری ہے لہذا عزیزم جاوید اقبال اور شیخ اعجاز احمد نے مجھے مشورہ دیا کہ "روزگار فقیر" کے نقش ثانی میں اس موضوع کا جائزہ لے کر اس غلط فہمی کو رفع کر دینا چاہئے کہ علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ ہجری مطابق ۹ نومبر ۱۸۷۷ء بروز جمعہ ہے اور یہ کہ انہوں نے ۶۱ سال کی عمر پائی ......" (روزگار فقیر ص ۲۳۷)

جب کہ اقبال نے خود ہی لکھا ہے کہ وہ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے تھے تو پھر ان کی پیدائش ۱۸۷۷ء میں کیسے ہو سکتی ہے؟ اس میں کتابت کی بھی غلطی نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ اگر اقبال نے واقعی ۶۱ سال کی عمر پائی تو تاریخ وفات کے حساب سے یہ سن صحیح ہے۔ ورنہ خود اقبال کے لکھنے کے مطابق وہ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح ان کی عمر ۶۲ سال ہونی چاہئے؟

(مناظر عاشق ہرگانوی)

"غلطیہائے مضامین"

جناب ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان" "سیر بین" کے طنز بھرے فقرے بڑے دلچسپ ہوتے ہیں، میں اس حصے کو بہت پسند کرتا ہوں۔ ۲۲ رمئی کے پرچے میں "استعاروں، افکاروں" وغیرہ کے الاوا ایک خواتین پر خوب چوٹیں کی گئیں۔ حیدرآباد میں جمع کی غیر ضروری جمع بنانا عام بیماری ہے۔ مثلاً اسنادات، خدامین، احکامات وغیرہ۔

"سیر بین" میں تو طنز نگاری کی گئی تھی مگر یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ اسی نمبر کے اداریہ میں آپ نے بھی وہی غلطی کی جس کا مذاق "سیر بین" نگار نے اڑایا ہے۔ آپ نے اپنے اداریہ کے دوسرے کالم میں لکھا ہے: "مجالس ہائے عمل"

مجلس ہائے عمل، ہی کافی تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہائے والے کے ساتھ جمع بنانا اچھا نہیں لگتا، خاص کر نثر میں آپ جیسے مشاق نثر نگار سے توقع تو تھی اور ہے کہ آپ اردو میں اردو قاعدوں کے مطابق جمع اور صرفی ترکیبیں استعمال کریں گے۔ "میری ہندی دشمنی" میں عناصر، تراکیب، شعرا، الفاظ، ادوار جیسے لفظوں کی بھرمار ہے۔ اس قسم کی جمع بنا کر اردو کو نامانوس بنایا جا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ادیب، مضمون نگار اور مترجم مشکل بنا رہے ہیں۔ اور اردو قاعدے کے مطابق جمع بنانے کی قسم کھائی ہے۔ فقط

(ڈاکٹر) جافر حسن

نوٹ:۔ شکریہ۔ اصل لفظ مجالس عمل تھا۔ ہائے کاتب کا اضافہ ہے۔ فارسی تراکیب کے بے جا استعمال سے پرہیز ہماری بھی پالیسی ہے۔ (ادارہ)

"ہماری زبان"

مکرمی۔ "ہماری زبان" کا ہر شمارہ پابندی سے ملتا ہے۔ شکریہ۔ اس کے دلچسپ مضامین قابل تحسین ہوتے ہیں۔ خاص کر "ہماری زبان" ہم طالب علموں کے لئے مشعل راہ ہے۔ بہت سی نئی باتیں علم میں آتی ہیں۔ یہ اخبار ہماری الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ الغرض جگہ جگہ ادبی چاشنی لطف بخشتی ہے۔

شکر خدا کا ہم معمہ کی نوازشوں سے بچ گئے۔

یہ بات قابلِ مبارک باد ہے کہ آپ نے یہ سلسلہ آغاز میں ہی انجام کو پہنچا دیا۔ حصّۂ نظم پڑھ کر تشنگی کا گہرا احساس ہوتا ہے۔ حصّۂ نظم بڑھایئے ______!

کیا ہی اچھا ہوتا کہ "ہماری زبان" میں چند سوال وجواب کے لئے بھی جگہ نکالی جاتی! اگر آپ میری گذارش کی طرف متوجہ ہو کر مجھے مشکور ہونے کا موقع دیں گے تو ہماری اور بھی بہت سی اُلجھنیں دور ہو سکتی ہیں!!

(مس عطیقہ شیخ)

"چند اشارے"

اُردو مکاتب اس طرح کھولے جائیں کہ وہ بچّوں کو ادیب، ادیب اور ادیب کامل کے لئے تیار کردیں اور امتحانوں کے لئے ایسے کتاب گھروں کو تیار کیا جائے کہ وہ ادیب کامل تک ذکر کئے جانے والے ادیبوں کی کتابوں کو اپنے ہیں سمالیں۔ یعنی اُردو مکاتب اور اُردو کتاب گھروں کو ادیب اور ادیب کامل کے دامنوں میں کھڑا کیا جائے۔ دوم، ایک تحریک اُردو کتاب گھروں کی ایسی تیار کی جائے، جو مذہبی اداروں کی ضرورتوں کو پوری کرتی ہو، اس میں (۱) اسلام (۲) ہندو مذہب (۳) سکھ مذہب (۴) جین دھرم اور (۵) عیسائی۔ ملک کے مختلف کتاب گھر، سامنے آتے چلے جائیں گے۔ مذہبی اداروں میں اس خیال کے لوگ کھڑے کئے جائیں۔ اور ہندو کتاب گھروں کے پہلو میں بھی اردو کتاب گھروں کی ضرورت قائم ہو سکتی ہے۔ اُردو ناشروں سے مدد پیہ لیا جائے۔ کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں فروخت ہوتی ہیں مطبع نول کشور لکھنؤ، مطبع رزاقی کان پور، مطبع سعیدیہ کانپور اور دیگر دینی ناشرین سے مدد مل سکتی ہے اور اردو زبان کا کتابی پھیلاؤ ہو سکتا ہے۔ ان سب باتوں سے زیادہ ضروری ہے، اُردو اسکولوں کا قیام اور اُس کے لئے بلاک اور ضلع بورڈوں کی سیاست میں اُردو زبان کے دوستوں کا سیاسی ذہن بنانا۔ شاید آپ توجہ کریں۔

دہلی اور لکھنؤ کی سرکاریں اُردو زبان کو ختم کر چکی ہیں ایسی صورت میں اب بلاک اور ضلع بورڈوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں اُردو زبان کے دشمن کم ہیں اور بہت کم۔ (ولی کمال)

جواب استفسار

ہماری زبان کے ۸ مئی کے شمارے میں نارنگ صاحب کا چند ادیبوں کی سن ولادت کے سلسلے میں ایک مراسلہ نظر سے گذرا تھا۔ ان کے جواب میں عرض ہے

(۱) ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ۱۲ رجون ۱۹۱۲ء کو بمقام رائے پور (صوبہ متوسط ہند) میں پیدا ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۱۵ رجون ۱۹۱۶ء کو بمقام آگرہ (صوبہ یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔

(۳) سید رئیس احمد جعفری ندوی دسمبر ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔

(۴) شوکت صدیقی ۲۰ رمارچ ۱۹۲۳ء کو بمقام لکھنؤ (اودھ یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔

(اکرام احمد۔ کراچی)

اُردو

مکرمی

اُردو کے متعلق حکومت کے نام جو درخواست بھیجی ہے اُس کی ایک نقل روانۂ خدمت ہے اپنے اخبار میں اس کا متن شائع فرمایئے اور حکومت سے مطالبہ کیجئے کہ جہاں جہاں لسانی اقلیتیں ۱۵ فی صدی ہوں انھیں پوری سہولتیں ہوں کہ وہ اپنا جملہ کاروبار اپنی زبانوں کے ذریعہ انجام دے سکیں۔ اگرچہ حکومت نے اس خصوص میں احکامات جاری کر دئے ہیں مگر اُن پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ نہ ہی حکومت نے ابھی تک یہ اعلان کیا ہے کہ کن کن علاقوں میں لسانی اقلیتیں ۱۵ فی صدی سے زیادہ رہتی ہیں۔

(ایم۔ ایس ہنگل۔ صدر اُردو ایجوکیشنل سوسائٹی جمکھنڈی۔ ضلع بیجاپور (میسور))

نوٹ:۔ اس مراسلہ میں حکومت کے نام جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا ترجمہ انھیں اوراق میں "میسور میں اُردو" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

تذکرۂ خاکسار

ہماری زبان مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء میں عالی جناب مولانا عرشی صاحب نے تذکرۂ خاکسار کے متعلق جو انکشاف فرمایا ہے یقیناً قابل قدر ہے اور بہت زیادہ حد تک قابل قبول بھی، اس سلسلے میں میرے ذہن میں جو خیالات تھے درج کرتا ہوں۔

خاکسار ہمیشہ میر کے اشعار پر نوک جھونک کرتے تھے (گلشن ہند صفحہ ۱۲۲)، میر عالم شباب میں خاکسار کے منظور نظر تھے (تذکرہ ہندی صفحہ ...) میر کے کردار اور طریق عشق کے متعلق محقق فاضل قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیقات بھی

اس موقع پر ذہن میں رکھئے، میر کا خاکسار سے بگڑ بیٹھنا بعید از قیاس نہیں۔

میر نے ایک تذکرہ لکھا اس میں خاکسار کے متعلقین کے علاوہ ان کے ہم مشربوں (مثلاً حاتم وغیرہ) کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا اس طرح وہ تذکرہ تیار ہوا جس کا ذکر آزاد اور قاسم نے کیا ہے۔ (میں آزاد اور قاسم دونوں کے قول کو محض اس لئے رد کرنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ نسخۂ نکات الشعرا ابھی تک ہمیں نہیں مل سکا ہے، ہو سکتا ہے کہ تلاش و تحقیق سے نکات الشعرا کا وہ اولین نسخہ مل جائے اور آزاد اور قاسم کے قول کو رد کرنے والوں کی تحقیقات مسترد ہو جائیں) خاکسار قدم شریف کے خادموں میں تھے۔ سن رسیدہ تھے اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ ان کا منصب یہ تھا کہ وہ خود میر کے تذکرہ کا جواب دیتے، لیکن چونکہ میر کے تذکرہ میں اکثر شعرا پر طنز تھا اس لئے جواب لکھا جانا فطری تھا۔ میر کی غلطیوں کا جواب اکثر تذکروں میں ملتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تذکرہ خصوصاً اسی مقصد کے تحت لکھا گیا تھا۔ میر کو اس جوابی تذکرہ سے بھی رنج پہنچا، انھوں نے اپنے تذکرہ پر نظر ثانی کی اور نکات الشعرا کے اس نئے نسخہ میں اس جوابی تذکرہ کا بھی ذکر کر دیا۔ ضروری نہیں کہ میر کا یہ گمان کہ جوابی تذکرہ خاکسار نے اپنے کسی "معشوق" کے نام سے لکھا صحیح ہو۔ میر کو خاکسار سے (بہ سبب کس رابطے کے جس کا ذکر مصحفی نے کیا ہے؟) خصوصاً کد تھی اس کا اندازہ موجودہ نکات الشعرا سے بھی ہوتا ہے۔ غالباً اسی لئے میر نے وہ گمان کیا جس کا ذکر کیا گیا۔

میر نے "معشوق چہل سالۂ خود" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ میر کا خاکسار سے جو تعلق تھا اس کے پیش نظر یہ ترکیب زیادہ پُرلطف ہے۔

اگرچہ میر نے جوابی تذکرہ کا مصنف خاکسار کو بتایا ہے لیکن یہ بات قرین قیاس بہت کم ہے کہ کسی تذکرہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ علی لطف اور مصحفی نے بھی اس طرف اشارہ نہیں کیا۔ "بنام معشوق چہل سالۂ خود" سے میرے نزدیک بھی وہ مفہوم لیا جانا چاہئے جو مولانا نے فرمایا ہے۔ ورنہ عام طور سے تذکرہ نویس "تذکرۃ الشعرا مسمّی بہ" وغیرہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ (محمد انصار اللہ نظر)

اقبال کرشن

کلام جان صاحب کی لسانی اہمیت

عوام اور خواص میں جان صاحب کے کلام کی کچھ یوں ہی سی دھوم ہے، مگر ان کے کلام کی لسانی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ان کا کلام کچھ ایسے نسوانی محاورات وغیرہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے جو اب متروک ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں کچھ ایسے ہی الفاظ ان کے اشعار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

آبرو دینا۔ عصمت کھونا۔

بوا گوہر یہ کیا خدا کے لئے　　آبرو دے گی آشنا کے لئے

آبرو لینا۔ عصمت لوٹنا۔

اے بوا گوہر حسین آباد کے تالاب پہ
آبرو لی چاند خاں نے کل ہماری رات کو

نس کٹا۔ خواجہ سرا۔

ع: نہ آئے نس کٹا جو میرے گھر نہیں آتا

میلے سر سے ہونا۔ حیض سے ہونا

رانی بی کا نہ کھانا ہے کہ میلے سر سے ہوں
جان صاحب وہی منگل کو نہاؤں کیا غرض

حامی پہنا۔ طرفداری کرنا۔

ع: حق ماں کا بھی سمجھو نہ ہو حامی دلہن کی

دھگڑی۔ آشنا عورت۔ اسی طرح آشنا مرد کو دھگڑا کہتے ہیں۔

آپ تو دھگڑی سے دن رات اڑاتے ہیں مزے
مجھ سے کہتے ہیں کہ ہوں بیگما عاشق تیرا

خبر ہونا۔ بیوی سے ملنا۔

تمہارا مال ہے ہر وقت اختیار میں ہے
خبر نہ ہونا دلہن سے ابھی بخار میں ہے

جھب جھالیا۔ مکار۔ فریبی۔

کل وہ جھب جھالیا موا در گور　　کیسی عزت کو میری لے بیٹھا

ٹھنڈی گرمیاں کرنا۔ بے اثر شوخیاں کرنا۔

کیجئے مجھ سے نہ ٹھنڈی گرمیاں　　اور کوئی ہو گی گرمائی ہوئی

کھٹڑی کھٹڑی ہونا۔ مضمون ہونا۔

چھوڑئے اپنے تو یہ ہتھکنڈے
ورنہ سب میں کھٹڑی کھٹڑی ہو گی

بوٹی بوٹی پھڑکنا۔ نہایت شوخ و شریر ہونا۔

کیسی چنچل شوخ لڑکی ہے
بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہے

آغا مینا۔ بولنے والی مینا (پرندہ)

اکیلے میں اس سے بہلتا ہے دل
مری آغا مینا سلامت رہے

مرحوم وزیراعظم کا سوگ

"ہماری زبان" ۸ جون ۶۴ء کے شمارے میں "آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے" کے عنوان سے ہم نے ان اداروں اور افراد کے نام پیش کئے تھے جن کی طرف سے ہم کو پنڈت جی کی وفات کے سلسلے میں ہونے والے تعزیتی جلسوں کی کارروائی کی رپورٹیں اور تعزیتی قراردادیں موصول ہوئی تھیں۔ گذشتہ اشاعت میں صوبائی شاخ دہلی کے جلسے کی کارروائی کسی قدر تفصیل سے شائع کی گئی تھی۔ اس کے بعد بھی ایسے خطوط کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ذیل میں ہم باقی ماندہ اداروں کی طرف سے موصول ہونے والی روئیدادوں کی آخری قسط پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم جلسوں کی کارروائی کی تفصیلی رپورٹ اور قراردادوں کا پورا متن نہیں پیش کر سکتے۔ (ادارہ)

- انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی نے اپنے جلسے میں مرحوم رہنما کو خراج عقیدت پیش کیا اور تعزیتی قرارداد منظور کی۔
- انجمن ترقی اردو صوبہ راجستھان نے اپنے تعزیتی جلسے میں یہ طے کیا کہ مرحوم وزیراعظم کی یادگار میں ایک مجموعۂ قطعات تاریخ کا "خزانۂ غم نہرو" کے نام سے شائع ہوگا۔
  "خزانۂ غم نہرو" تاریخی نام ہے۔ (مولوی) احترام الدین احمد شاغل سکریٹری
- انجمن ترقی اردو شاخ جودھپور کا جلسہ زیر صدارت شاہ گوردھن لال کابرا منعقد ہوا۔ جلسہ میں مرحوم رہنما کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور تعزیتی قرارداد منظور ہوئی۔ وحید اللہ خاں سکریٹری۔
- انجمن ترقی اردو مغربی بنگال۔ ۶ جون کو جلسہ منعقد ہوا جس میں تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔ غلام قادر خاں سکریٹری
- انجمن ترقی اردو شاخ بنارس۔ پہلی جون کو پنڈت جواہر لال کے سوگ میں جلسہ ہوا اور تعزیتی قرارداد منظور ہوئی۔
  داتا رسول سکریٹری۔
- انجمن ترقی اردو کان پور۔ ۴ جون کو جلسہ ہوا۔ مرحوم رہنما کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور تعزیتی قرارداد منظور ہوئی۔ سکریٹری۔
- انجمن ترقی اردو شاخ محبوب نگر (آندھرا پردیش) یکم جون کو تعزیتی جلسہ ہوا۔ خراج عقیدت پیش کیا گیا اور قرارداد منظور ہوئی۔ محبوب علی نصرت فاروقی سکریٹری۔
- انجمن ترقی اردو شاخ شیرگھاٹی ضلع گیا۔ ۲۸ مئی کو عظیم رہنما کے سوگ میں جلسہ ہوا اور تعزیتی قرارداد منظور ہوئی۔ صدر و ممبران انجمن ترقی اردو شیرگھاٹی گیا۔

- انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی طرف سے تعزیتی جلسہ ہوا۔ ریاستی وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خاں نے صدارت کی۔ شرکا میں رائے جانکی پرشاد، پروفیسر ہارون خاں شروانی، منظور احمد معتمد اردو مجلس، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، اور حبیب الرحمٰن صاحب معتمد صوبائی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش تھے۔ شرکاء جلسہ نے مرحوم رہنما کو والہانہ خراج عقیدت پیش کیا اور قرارداد منظور کی۔ سکریٹری
- انجمن ترقی اردو شاخ اجین۔ جناب اے این شیر کی صدارت میں تعزیتی جلسہ ہوا۔ بعد میں ایک تعزیتی مشاعرہ بھی ہوا۔ سلطان احمد سکریٹری
- سیانہ (ضلع بلند شہر) پنڈت جواہر لال کے سوگ میں مشاعرہ و کوی سمیلن ہوا۔ حبیب احمد سیانوی۔
- انجمن اردو پٹیالہ — تعزیتی جلسہ ہوا اور قرارداد منظور ہوئی۔ مدن راہی، سکریٹری۔
- رائٹرز ایسوسی ایشن، بریلی۔ تعزیتی جلسہ ہوا، اور قرارداد منظور ہوئی۔
- دارالمطالعۃ البرہانیہ اودے پور۔ تعزیتی جلسہ ہوا اور قرارداد منظور ہوئی۔

نئی گورنمنٹ اور لسانی پالیسی!

ہندوستان کے نئے وزیر اعظم شری لال بہادر شاستری نے پنڈت نہرو کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے جن عزائم کا اظہار کیا ہے خدا کرے وہ کامیابی سے ہم کنار ہوں اور ملک کی تمام اندرونی کم نصیبیوں کا خاتمہ ہو جائے مسٹر شاستری نے لسانی الجھنوں کی موجودگی کا نہ صرف اعتراف ہی کیا ہے بلکہ ان سے عہدہ برآ ہونے کا عزم بھی فرمایا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کے لسانی مسائل کا تعلق ہے ان کا حل ہندوستان کی کتاب آئین میں پہلے ہی سے موجود ہے اگر دستور کی تسلیم شدہ زبانوں کو اپنے اپنے علاقوں میں آزادانہ پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاتا اور طاقت کا احساس کسی کو پست اور کسی کو بلند کرنے کی کوششوں سے اجتناب کرتا تو لسانی الجھنوں کا کوئی تصور ہی عالم وجود میں نہ آتا۔ اور "جیو اور جینے دو" کے اصول پر پوری قومی زندگی ترقی کے مرحلے طے کرتی چلی جاتی۔ لیکن ملک کی بد قسمتی کہ جو مسئلہ سرے سے پیدا ہی نہ ہونا چاہئے تھا، یا جس کا اطمینان بخش حل خود آئین ہند ہی نے پیش کر دیا تھا۔ وہ ایک عذاب کی شکل میں پیدا ہوا اور اس نے بڑھتے بڑھتے پورے ملک کا احاطہ کر لیا۔

اگر ہمارے نئے وزیر اعظم غور فرمائیں تو انھیں محسوس ہوگا کہ ہندوستان میں لسانی سوالات اردو کشی کے ہمہ گیر عمل کا رد عمل ہے۔ اگر نفسیاتی طور پر ایک کا انجام دوسرے کے لئے سبق اور عبرت کا باعث ہوتا ہے اور ایک کے حشر سے دوسرے کا سبق لینا ایک فطری رد عمل ہے تو اردو کشی کے جو المناک مناظر ملک کے دیگر علاقوں کے سامنے پیش کئے گئے ان کا نتیجہ یقیناً وہی ہونا چاہئے تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ جب اردو کی زندہ متحرک اور پررونق بستی میں آگ لگائی گئی تو دوسری زبانوں کی متصل بستیوں میں بھی اپنے بقا و تحفظ کا احساس پیدا ہوا اور جس ہندی کی چنگاری کے نام سے اردو کی بستی کا یہ حال بنایا گیا تھا دوسری لسانی بستیاں اس سے خوفزدہ ہو کر اپنی حفاظت کے انتظامات میں مشغول ہو گئیں۔

سوال یہ ہے کہ اردو کے ساتھ روز اول ہی سے جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے اگر وہ واقعی کسی دیانت اور انصاف کا تقاضا ہے تو اس کو جرأت کے ساتھ تسلیم کیوں نہیں کر لیا جاتا۔ اور آئین میں اردو کو قومی زبان کا جو درجہ دیا گیا ہے اسے کسی آئینی ترمیم ہی کے ذریعہ کیوں ختم نہیں کر دیا جاتا؟ اگر حقیقت یہ نہیں ہے اور اب تک اردو کے ساتھ جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے وہ غلط اندیشی اور غلط پالیسی کا نتیجہ ہے تو اب ایسی مہلک پالیسی پر اصرار کیسے حق بجانب کہلائے گا؟ اردو کے لئے گاندھی جی اور خود پنڈت نہرو کے جو جذبات تھے وہ ریکارڈ پر موجود ہیں علاوہ ازیں انصاف اور قومی اتحاد و یک جہتی کے تقاضے بھی سامنے ہیں ایسی حقیقتوں کی موجودگی میں ہماری نئی گورنمنٹ کی نئی لسانی پالیسی کیا ہونی چاہئے۔ (ربیاک، سہارن پور)

میسور میں اردو

شری ایم ایس مغل، صدر اردو ایجوکیشن سوسائٹی جلھنڈی ضلع بیجاپور نے حکومت میسور کے چیف سکریٹری کو ایک مراسلہ بھیجا ہے۔

حکومت کی طرف سے اقلیتی زبانوں کے تحفظ کی یقین دہانی اور متعلقہ شعبوں کو اس ضمن میں ضروری ہدایات جاری کرنے کے سلسلے میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مراسلے میں لکھا گیا ہے کہ افسران ان ہدایات پر عمل نہیں کر رہے ہیں اور اس لئے حکومت کی جاری کردہ ہدایات، بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں مراسلے میں درخواست کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں واضح ہدایات جاری کی جائیں اور تمام سرکاری شعبوں میں ایسے افراد کا تقرر کیا جائے جو ریاست کی لسانی اقلیتوں کی زبان سے واقفیت رکھتے ہوں۔ اس طرح لسانی اقلیتوں کے افراد کو اپنی عرضداشتیں اور دوسرے کام کاج اپنی مادری زبان میں کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

نہرو کے خطوط کتابی شکل میں

معلوم ہوا ہے کہ مرحوم وزیر اعظم نہرو کی جانب سے ریاستی وزرائے اعلیٰ کو جو خطوط لکھے گئے تھے وہ اب ایک کتابی شکل میں شائع کئے جائیں گے۔

مرحوم وزیر اعظم ہر پندرہ روز کے بعد وزرائے اعلیٰ کو معاشی، سماجی، سیاسی، انتظامی اور بین اقوامی معاملات کے بارے میں خطوط لکھا کرتے تھے۔ ان خطوط کی بہت زیادہ اہمیت بتائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مرحوم وزیر اعظم غیر ملکی دوروں سے واپسی پر بھی وزرائے اعلیٰ کو خطوط لکھا کرتے تھے۔ اندازہ ہے کہ یہ خطوط کتابی شکل میں آنے پر کئی جلدوں پر مشتمل ہوں گے۔

(قومی آواز۔ لکھنؤ)

اُردو کی حق تلفی نہ ہوگی

وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش کی یقین دہانی

شری کے برہمانند ریڈی، وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش نے یقین دلایا ہے کہ ریاست میں اُردو کی ترقی و ترویج اور اُردو بولنے والوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے حکومت فراخدلانہ رویہ اختیار کرے گی اور تمام جائز شکایات کا ازالہ کیا جائے گا۔

انجمن تحفظ اُردو آندھرا پردیش کا ایک وفد وزیر اعلیٰ سے ملا تھا اور اُردو کے متعلق کئی فوری حل طلب مسائل پر اُن سے گفتگو کی تھی۔ وفد نے وزیر اعلیٰ کو ایک میمورنڈم بھی پیش کیا جس میں اُردو کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد میں کوتاہیوں اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے فوری طور پر ایک مشاورتی کمیٹی مقرر کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایسے اُردو مادری زبان والے طلبہ کو جو کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے ذریعہ تعلیم کو اختیار کرنے پر مجبور ہیں اُردو کو لازمی طور پر پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ انجمن نے جس مطالبہ پر شدت سے زور دیا وہ یہ ہے کہ ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کے قواعد و ضوابط میں لسانی اقلیتوں کی تعلیمی سہولتوں اور مراعات کو بھی درج کیا جائے، اور ان اداروں کو پابند کیا جائے کہ وہ اُردو والوں سے کسی بھی صورت میں اُردو جماعتوں کے لئے عطیہ نہ طلب کریں۔ اور یہ کہ نئے تعلیمی سال سے زیادہ سے زیادہ اُردو جماعتیں قائم کی جائیں۔ وفد نے وزیر اعلیٰ سے درخواست کی، کہ وہ مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات کو آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد سے اُردو میں بھی علاقائی خبریں نشر کرنے کے انتظام پر توجہ دلائیں۔ انجمن نے چالیس سال سے زائد عمر کے اُردو داں ملازمین کو تلگو ٹسٹ میں کامیابی کے التزام سے مستثنیٰ قرار دینے کی بھی اپیل کی، اور عدالتوں، اور نظم و نسق اور تعلیمی شعبوں میں اُردو کے مقام مستحق کو نظر انداز نہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر اعلیٰ نے انجمن کے کارکنوں کو مشورہ دیا کہ وہ اُردو والوں کے مسائل اور مشکلات سے اُنھیں باخبر رکھیں جن پر غور و فکر کے لئے وہ تیار رہیں گے۔

(ملاپ حیدر آباد)

شاستری اُردو اخبار نویس

ہندوستان کے وزیر اعظم شری لال بہادر شاستری ایک زمانے میں اُردو کے اخبار نویس تھے۔

اُردو اخبار نویسی سے اُن کا یہ تعلق سنہ ۱۹۳۰ء میں شروع ہوا اور سنہ ۱۹۳۲ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں وہ لاہور کے اُردو اخبار "ملاپ" کے نامہ نگار مقیم الٰہ آباد تھے اور کانگریس کی اہم سرگرمیوں پر اخبار میں معلوماتی مضامین بھی لکھتے تھے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

انتخابات

انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن کے دوسالہ انتخابات برائے سال سنہ ۶۴ء و سال سنہ ۶۵ء میں حسب ذیل عہدہ داران و اراکین عاملہ بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔

(۱) ابوالخیر صاحب صہبا صدر
(۲) غلام محمد مصطفےٰ صاحب ساغر حیدرآبادی معتمد
(۳) حاجی سید عبدالمعین صاحب خازن
(۴) سید عبدالرشید صاحب رنگین رکن عاملہ
(۵) حافظ رفیق احمد صاحب منصف رکن عاملہ
(۶) محمد صدرالدین صاحب فرخ رکن عاملہ
(۷) محمد ابراہیم خاں صاحب رکن عاملہ
(۸) ہریندر کمار صاحب استھانہ رکن عاملہ
(۹) شرف الدین صاحب شاکر رکن عاملہ
(۱۰) ارشاد احمد بیگ صاحب ارشد رکن عاملہ
(۱۱) محمد محبوب احمد صاحب اختر رکن عاملہ
(۱۲) وٹھل ریڈی صاحب رکن عاملہ
(۱۳) شبیر علی صاحب شاہد رکن عاملہ
(۱۴) شیخ احمد صاحب پیا رکن عاملہ

(معتمد)

نوگڈھ (بستی) میں مشاعرہ

باشندگان نوگڈھ نے اُردو کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک لائبریری قائم کی ہے جس کا نام مولانا آزاد لائبریری رکھا گیا ہے۔ اس لائبریری کی مالی امداد کیلئے ۱۶ مئی کی شب میں قاضی محمد عدیل عباسی صدر انجمن ترقی اُردو بستی کی صدارت میں ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا جس میں بیرونی اور مقامی شعرا کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

(انور کمال، کنوینر مشاعرہ کمیٹی)

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علیگڑھ پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا